رد کیجئے؟ بقول سر جیمس جینز

"تم رسی کھینچ کر گھنٹی بجا سکتے ہو کیونکہ ان دونوں کا تعلق ظاہر ہے لیکن مادی ذرات ایک شاعر کے دماغ کو ظہور میں نہیں لا سکتے شاعر کے دماغ اور مادی ذرات میں کوئی تعلق نہیں پس یہ کہنا کہ شعور، ذرات ہی کی حرکت اور ترکیب کی ایک شکل ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے" (مسٹیریس یونیورس صن ۱۷)

اب فیصلہ کیجئے کہ ذہنی کائنات پر طبعی اور کیمیاوی قوانین کس طرح حکمراں ہو سکتے ہیں؟ زندگی اور شعور کے متعلق یہ مادہ پرستانہ نظریہ اب جدید فلسفہ کی روشنی میں مردود قرار پاچکا ہے اس کی جگہ اب سر آرتھر ایڈنگٹن اور سر جیمس جینز کے اس نظریہ کو فروغ حاصل ہورہا ہے کہ شعور کی اصل مادہ نہیں بلکہ مادہ کی اصل شعور ہے، مادہ زندگی اور شعور کو پیدا نہیں کر سکتا، شعور، مادہ کو پیدا کر سکتا ہے اور خارجی دنیا اسی طاقت کا عکس ہے جسے ہم ادراک، شعور، آگاہی اور زندگی سے موسوم کرتے ہیں۔

عقل کی ماہیت | سطور بالا سے اتنی بات تو روشن ہو گئی کہ مادہ اور نفس دو جدا حقیقتیں ہیں اور نفس پر وہ قوانین حکمراں نہیں ہیں جو مادہ پر حکمراں ہیں۔ جہاں تک شعور کا تعلق ہے یہ انسان اور حیوان کا مشترک جوہر ہے۔ کتا آگاہ ہے کہ روٹی موجود ہے۔ انسان آگاہ ہے کہ چاند روشن ہے ہم اس آگاہی کو شعور کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن جہاں سے انسان اور حیوان کی سرحدیں جدا ہوتی ہیں وہ ذات کی معرفت ہے یعنی آگاہی سے آگاہ ہونا کتا روٹی سے آگاہ ہے اس سے زیادہ اس کے پاس کوئی آگاہی نہیں مگر انسان نہ صرف روٹی سے آگاہ ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسے روٹی کی آگاہی حاصل ہے میں چاند کی روشنی سے آگاہ ہوں اور ساتھ ہی اس سے بھی آگاہ ہوں کہ آگاہی رکھتا ہوں پس اپنی آگاہی سے آگاہ ہونا صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی آگاہی سے آگاہی کا نام معرفتِ ذات ہے

اور ذات کی معرفت ہی سے عقل و فہم کی سرحد شروع ہوتی ہے ۔

عقل کی معرفت میں دشواری | انسان تجربات کے سہارے اور عقل کے ذریعہ کائنات کے اسرار معلوم کرتا ہے معلول کو دیکھ کر علت کا کھوج لگاتا ہے جزئیات کے ذریعہ کلیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جہاں تک خود عقل کی معرفت کا تعلق ہے انسان آج بھی دو ہزار سال پیچھے کھڑا ہے بلکہ ابھی آغاز ہی آغاز ہے اور عقل پر نادانی اور جہالت کے پردے بدستور پڑے ہوتے ہیں آپ کائنات کے اسرار اس لئے معلوم کر لیتے ہیں کہ معلوم کرنے والی عقل اور شے معلوم ایک دوسرے سے جدا ہیں، معمول، عامل سے جدا ہوتا ہے اس لئے اثر قبول کرتا ہے غرض غور کرنے والا کسی چیز پر اسی وقت غور کر سکتا ہے کہ وہ چیز جس پر غور کیا جاتے، غور کرنے والے سے جدا ہو۔ لیکن جب آپ اس بات پر غور کریں گے کہ عقل کیا ہے؟ عقل کے حدود کیا ہیں؟ عقل قابل اعتبار ہے یا ساقط الاعتبار تو گویا آپ عقل پر عقل ہی کے ذریعہ غور کریں گے عقل ہی غور کرنے والی اور عقل ہی وہ معمول جس پر غور کیا جا رہا ہے۔ جج کا فیصلہ اسی وقت قابل تسلیم ہوگا کہ اس کے فیصلے کا تعلق اس کی اپنی ذات سے نہ ہو مگر یہاں عقل ہی جج ہے اور جج ہی عقل ہے۔ اب یہ کس طرح ممکن ہے کہ عقل اپنے متعلق عقل سے کام لے اور اپنے متعلق خود ہی فیصلہ کرے اور اس کا اپنے متعلق فیصلہ قابل اعتبار بھی ہو؟ یہ ہیں وہ مشکلات جو عقل کی معرفت میں حائل ہیں انہی سے گھبرا کر عام خیال یہ ہو گیا ہے کہ عقل اور اس کے فیصلے قابل اعتبار نہیں ہیں۔

عقل اور حواس | عقل و حواس کے بغیر خارجی اشیاء کا ادراک نہیں کر سکتی، حواس، مواد فراہم کرتے ہیں اور عقل انھیں ترتیب دیکر نتیجہ سے آگاہ کرتی ہے، ایک بہرہ شخص عقل سے بہرہ ور ہونے کے باوجود آواز کی کیفیت کا ادراک نہیں کر سکتا ایک اندھا، عقلی استعداد کے باوصف نہیں بتا سکتا کہ رنگ کی حقیقت کیا ہے۔ اس لئے کہ جو حواس مواد فراہم کرتے ہیں وہ سرے سے غائب ہیں!

ب ذرا اور آگے بڑھئے۔ تو اس میں کوئی ایسا حاسہ (sense) موجود نہیں ہے جو عقل کو
ں پر غور کرنے کے لئے مواد فراہم کرے اور عقل انھیں ترتیب دیکر اپنی حقیقت معلوم کرلے
بہ عقل کو اپنی نسبت چند ایسی خاصیتیں مزید معلوم ہیں جن کی بدولت وہ عقلِ حیوانی سے ممتاز
دجاتی ہے مثلاً عقل تناقض کو تسلیم نہیں کرسکتی۔ اس کے نزدیک یہ بات کہ ایک چیز ایک وقت میں
جود بھی ہو اور معدوم بھی محض لغو ہے وہ دو اور دو پانچ کے کلیہ کو کبھی باور نہیں کرسکتی۔ نیز اسے
ہی معلوم ہے کہ اس کا دائرہ عمل محدود ہے اور وہ ایک خاص حد سے آگے قدم نہیں اٹھا سکتی
لیکن یہ بات کہ وہ خود کیا ہے ؟ اس کی دسترس سے باہر ہے کیونکہ یہاں عامل اور معمول ایک ہیں
ی عقل پر غور کرنے والی عقل ہی ہے اور ظاہر ہے کہ اپنے بارے میں اس کا فیصلہ قابلِ اعتبار نہیں
دسکتا۔

قل پر اعتماد | عقل کی ان تمام نارسائیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ ہماری
ندگی میں رہنمائی کرنے والا ایک زبردست جوہر ہے اور ہم اس کے ذریعہ ہر چیز کی بعض باتوں
ر بعض چیزوں کی ہر بات کو معلوم کر لیتے ہیں ہم نے عقل کی ہی بدولت آلات کو استعمال کرنے
ور ایجاد کرنے پر قدرت حاصل کی، ہمارے بزرگوں نے اسی کے ذریعہ آگ جیسی چیز دریافت
ی۔ تجربہ بتاتا ہے کہ عقل ایک مفید چیز ہے اور وہ زندگی کے بہت سے معاملات میں ہماری رہنمائی
ر سکتی ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عقل قابلِ اعتماد ہے ؟ کیا اس کے فیصلوں پر بھروسہ
یا جاسکتا ہے ؟۔ نفسیات کی دونوں شاخوں یعنی کرداریت (Behaviourism)
ور علم تجزیہ نفس (Psychoanalysis) کا دعویٰ ہے کہ عقل کا کوئی مستقل وجود نہیں،
رادہ کی آزادی محض وہم ہے۔ اخلاقیات غیر اخلاقی جذبات کی پیداوار ہیں۔ زندگی کا کوئی مقصد نہیں

انسان کائنات کی مشین کا ایک پرزہ ہے۔ ہم جسے عقل کہتے ہیں وہ دراصل خواہش کا ایک دوسرا نام ہے۔ عقل کسی چیز کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کیلئے دلیل کا سہارا ڈھونڈتی ہے اور چونکہ خود خواہش تعلیم و تربیت، موروثی اثرات اور ماحول کی پیداوار ہے اس لئے وہ آزاد نہیں ہے اور جب وہ آزاد نہیں تو اس کا استدلال اور اس کے فیصلے بھی آزاد اور قابل اعتماد نہیں ہو سکتے۔ بیسویں صدی کی نفسیات کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے ساری کائنات کو غیر عقلی ٹھہرا دیا اور عقل کو خواہش قرار دے کر اس کی آزادی سلب کر لی

نفسیاتی ذہن کا تجزیہ | اگر نفسیات کے اس فیصلہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو سوچو علم و حکمت، دریافت و اکتشافات، انسانی تگ و دو اور خود نفسیات اور اس کے فیصلوں کا کیا انجام ہوگا؟ علمائے نفسیات کہتے ہیں کہ عقل قابل اعتماد نہیں مگر سوال یہ ہے کہ ان کا یہ فیصلہ کہ

عقل قابل اعتماد نہیں

کس طرح قابل اعتماد قرار پائے گا؟ یہ دعویٰ کہ عقل قابل اعتماد نہیں آخر کس فیصلہ پر مبنی ہے؟ اگر انھوں نے عقل ہی کے ذریعہ عقل کے خلاف فیصلہ کیا ہے اور عقلی دلیل سے عقل کو بے اعتبار ٹھہرایا ہے تو ان کا یہ فیصلہ بھی قابل اعتماد نہیں ہو سکتا کیونکہ عقل کے خلاف ان کا فیصلہ خود عقل پر مبنی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ میری آنکھ دیکھ رہی ہے کہ کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تو تم اسے خبطی قرار دوگے کوئی نہیں کہے گا کہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میرے اندر کوئی دل نہیں۔ اگر تمہارے اندر دل نہیں تو دل کے خلاف گواہی کون دے رہا ہے؟ اگر عقل قابل اعتماد نہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس فیصلہ کو کبھی نہ مانو کہ عقل قابل اعتماد نہیں کیونکہ یہ دعویٰ بھی عقل ہی پر مبنی ہے درحقیقت نفسیات نے عقل سے بغاوت کر کے خود نفسیات سے بغاوت کی ہے اور یہ باور کرانا چاہا ہے کہ عقل کے خلاف اس کی کوئی بات قابل اعتماد نہیں

عقل کے حدود | اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ عقل کی ایک حد ہے۔ اس کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں

کہ اپنے دائرہ سے باہر قدم رکھ سکے لیکن اس حد بندی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عقل قابل اعتماد نہیں اگر عقل قابل اعتماد نہیں تو اس کی حد بندی بھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کی ایک حد ہے اور اس میں رہ کر وہ کام کر سکتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عقل کا دائرہ محسوسات ہیں جو اشیاء تجربہ اور حواس سے باہر (transcendental) ہیں ان کا ادراک عقل کو نہیں بلکہ وجدان (intuition) کو ہوتا ہے۔ مثلاً عقل حواس کے ذریعہ آگ کی حرارت اور پانی کی برودت محسوس کرتی ہے۔ لیکن نیکی، بدی، ظلم و انصاف۔ زمان و مکان کا احساس صرف وجدان کو ہوتا ہے گویا سائنس کا دائرہ مظاہر اور وجدان کا دائرہ حقائق ہیں۔ اگر عقل حقائق میں دراندازی ہو کر فیصلہ کرتی ہے تو اس کا یہ فیصلہ قابل اعتماد نہیں لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مظاہر اور حقائق کی تفریق بھی تو عقل ہی نے کی ہے اور عقل ہی نے بتایا ہے کہ اس کا دائرہ مظاہر ہیں حقائق نہیں! اگر عقل، وجدان کی نشاندہی کرتی ہے تو وجدان بھی ایک عقلی حقیقت ٹھہری۔ اب اس کا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ بھی عقل ہی کہلائے گا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کائنات کے آغاز و انجام سے پردہ ہٹانا، زندگی کی غایت پر روشنی ڈالنا۔ روح کی بقا اور قانون مجازات کے اصول واضح کرنا اور اخلاقی قوانین کی تکمیل کرنا، عقل کا نہیں وحی اور مذہب کا کام ہے۔ کیونکہ یہ حقائق عقل کی دسترس سے باہر ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ حد بندی بالکل صحیح ہے اس کے باوجود وحی و مذہب کے فیصلے سراسر عقلی ہیں کیونکہ عقل نے بتایا ہے کہ فوق الفطرت امور کا تعلق مذہب سے ہے اور اس راہ میں عقل درماندہ اور لاچار ہے۔ روحانی امور میں جب عقل کام نہیں کر سکی تو اس نے ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنا یہ کام مذہب کے حوالہ کر دیا۔ اب مذہب حقہ کا جو بھی فیصلہ ہوگا اسے عقلی ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ عقل ہی کے ذریعہ ہمیں عقل کی نارسائی کا علم ہوا اور اسی کی نشاندہی پر ہم مذہب کی بارگاہ تک پہنچے! بجائے اس کے کہ ہم عقل کی توہین کریں

اور اس کے اعتماد پر شک لائیں نہیں اس کا یہ احسان کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ اس نے ہم پر ایک نئی راہ کھولی اور جو کام اس کی دسترس سے باہر تھا وہ اس نے مذہب اور وجدان کے حوالہ کر دیا۔ جس عقل نے انسان کو بتایا کہ جہاں عقل کی حد ختم ہوتی ہے وہیں سے مذہب کی سرحد شروع ہوتی ہے وہ یقیناً قابلِ احترام کیا بندار اور لائق استناد ہے۔ اگر وہ قابل اعتماد نہیں تو اس کا یہ فیصلہ بھی کہ یہ کام مذہب کو انجام دینا چاہیے قابل اعتماد نہیں ہو سکتا

خلاصہ | غرض عقل اپنی نارسائیوں کے باوجود ناکارہ اور بے سود نہیں ہے زندگی کے مسائل میں وہ ہماری رہنمائی کرتی ہے کائنات کے اسرار کا پتہ لگاتی ہے اور جن امور کی عقدہ کشائی نہیں کر سکتی اور ان میں بھی انسان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتی بلکہ بتاتی ہے کہ ایسے معاملات میں انسان کو کس کی رہنمائی قبول کرنی چاہیے جہاں تک وہ ساتھ جا سکتی ہے سب سے آگے رہتی ہے جہاں نہیں جا سکتی وہاں مسافر کو مفید مشورے دیتی ہے۔ اب جو مسافر عقل کے بتائے ہوئے رہنما کو قبول کرتا ہے وہ عقل سے انحراف نہیں کرتا اگر وہ مذہب اور وحی کی زیر ہدایت اپنا سفر جاری رکھتا ہے تو آپ کی یہ مذہبی زندگی سراسر عقلی ہو گی کیونکہ عقل ہی نے بتایا ہے کہ اسے مافوق الامور میں مذہب ہی کی رہنمائی قبول کرنی چاہیے۔ اس طرح گویا تم نے عقل کا مشورہ قبول کر کے مذہب کے معاملہ میں عقل کو جاننے کے لیے نہیں بلکہ ماننے کے لئے استعمال کیا اور یہ ماننا بھی خود ایک عقلی حقیقت ہے کیونکہ عقل ہی بعض امور کو ماننے پر مجبور کرتی ہے۔

بعض لوگوں نے عقل کے مقابلہ پر نقل کو رکھا ہے یعنی جو بات عقل سے نہیں بلکہ وحی اور نبوت کے ذریعہ معلوم ہو وہ نقل ہے مگر ہمارے خیال میں یہ تقسیم ہی سرے سے غلط ہے اگر ہماری عقل اپنی نارسائی کا اعتراف کر کے ہمارا ہاتھ مذہب جیسے رہنما کے ہاتھ میں دے دیتی ہے تو یہ طرزِ عمل نقلی کیسے بن گیا؟ وہ تو سراسر عقلی ہے کیونکہ اسی نے ہم کو مذہب اور

وحی کی راہ بتائی ہے۔ قرآن کریم نے اسی وجہ سے اپنی دعوت کو بصیرت کہا ہے اور انسانوں کو تدبر کرنے کی ہدایت کی ہے اس کا یہ کہنا کہ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟ کیا ان کی عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں؟ وہ تفقہ کی راہ کیوں اختیار نہیں کرتے اس بات کی طرف اشارہ ہے قرآن جو کچھ کہتا ہے خواہ وہ عقل میں نہ آئے سراسر عقلی ہے کیونکہ عقلِ سلیم ہی کا یہ تقاضہ ہے کہ عالمِ غیب کے اسرار اس شخص سے معلوم کئے جائیں جس پر غیب سے فیضان ہوتا ہے اور جس کا غیب الغیب ہستی سے براہ راست تعلق ہے!

قرآن اور تصوّف

(تالیف ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی)

ڈاکٹر صاحب نے اس گراں مایہ تالیف میں حقیقی اسلامی تصوف کو منطقی ترتیب و وضاحت کے ساتھ نہایت عمدہ اسلوب میں پیش کیا ہے، تصوف اور اس کی تعلیم کا اصلی مقصد مقام عبدیت مع الالوہیت کا حصول ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس نازک اور مشکل مسئلہ میں قسم قسم کے الحاد پیدا ہوگئے ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ مختلف قسم کی گمراہیوں کا سرچشمہ بن کر رہ گیا ہے مؤلف نے کتاب و سنت کی روشنی میں اس سلسلہ کی تمام الجھنوں اور نزاکتوں کو نہایت دلنشیں اور عالمانہ پیرایہ میں صاف کیا ہے، شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں تصوف اور صوفی کی لفظی تحقیق، تصوف کی تعریف اور دیگر مباحث متعلقہ پر بصیرت افروز کلام کیا گیا ہے اپنے موضوع کے لحاظ سے قابل مطالعہ کتاب ہے بڑے بڑے عنوانات ملاحظہ ہوں عبادت و استعانت قرب و معیت، تنزلات ستہ، خیر و شر، جبر و قدر، بقا و شہود ۳۰۰ صفحات بڑی تقطیع قیمت دو روپے مجلد مع خوبصورت گرد پوش تین روپے۔

علمی روزنامچہ

از جناب سید ابوالنظر صاحب رضوی

روزنامچوں کی عام روش کے خلاف سید صاحب نے "علمی روزنامچہ" کی جدت آمیز طرح ڈالی اور اس تقریب سے بڑی اہم اور کام کی باتیں زیر قلم آگئیں، سنہ ۳۹ء میں "برہان" میں اس سلسلہ کے چند مضامین شائع ہوئے تھے کئی سال کے بعد آج پھر ہمیں اسکا موقع مل رہا ہے، یہ تمام مضامین سنہ ۱۹۴۷ء کے روزنامچے سے لئے گئے ہیں (مدیر)

حالات اور آرزوئیں

آرزو انسان کی انقلاب پرست فطرت کا تقاضا ہے اور آرزو ہی دماغی مالیخولیا کا سنگ بنیاد۔ اگر آرزو نہ ہو تو کائناتی طاقتوں کو گرفت میں لا سکنے کا ہر دروازہ بند ہو جائے اور اگر آرزو نہ ہو تو فریب تخیل کا کوئی سیمیائی وجود اسے مغالطہ نہیں دے سکتا۔ آرزو زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے اور آرزو ہی سب سے بڑی لعنت۔ اگر آرزو نہ ہو تو جمالیاتی مناظر کی کشش زندگی کو آگے بڑھانے کا شوق اور عیش و بہار کی دنیا تک پہنچ سکنے کا کوئی راستہ نہ رہے لیکن اگر آرزو نہ ہو تو سر پرستانہ مہربانیوں کا انتظار، بزرگوں کی ارواح سے مشکلات دور کر سکنے کا وہم، محبت اور مفاد پرستیوں کا مغالطہ بھی اسے غلط راستہ اختیار کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا جب تک انسانیت آرزو کے پیمانے اور سمتیں مقرر نہ کریگی، عیش و نجات کی راہ دریافت نہیں کر سکتی قرآن نے بتایا تھا کہ "امانی" (آرزوئیں) چاہے مسلمانوں کی ہوں یا دوسرے مذہبی گروہوں کی نتائج کا رخ نہیں بدل سکتیں۔ مگر بدقسمتی دیکھئے کہ اس کا مطلب ہی سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کیا آرزوؤں ہی سے انقلاب نہیں آتے، کیا آرزوؤں ہی نے

زندگی کو زندگی نہیں بنادیا۔ پھر قرآن آرزوؤں کو بے نتیجہ کیوں قرار دے رہا ہے آرزو بہت اچھی چیز ہے اور بہت انقلاب انگیز، حتیٰ کہ نتائج اس ہی کے زائیدہ ہوتے ہیں مگر اس کائنات میں ہماری آرزوؤں کے لئے قدرت نے ایک "رخ بہا" بنا دیا ہے۔ اگر موجوں کا بہاؤ اس ہی سمت ہوگا تو بہتر نتائج پیدا ہوکر رہیں گے اور اگر اس کے خلاف ہوگا تو ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی۔

یہاں ایک اور کائناتی قانون بھی کام کر رہا ہے جس سے زندگی کوئی فضا باہر نہیں جا سکتی مذہبی لوگ اُسے تقدیر، قسمت اور پیمانۂ قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اشتراکی ٹھوس مادی حالات اور تاریخی تقاضوں سے کہ جس طرح ایک مذہبی ذہن کے نزدیک تقدیر کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا ایسے ہی بالفاظ دیگر اشتراکیت پرست کے نزدیک تاریخی مادیت کے خلاف کسی ذرہ کو بھی جنبش نہیں ہوسکتی دونوں گروہ اس چیز کے قائل ہیں کہ انسانیت کو ایک ایسے قانون سے جکڑ دیا گیا ہے جو اُس کے اختیار میں نہیں، انسانیت کی مجبوریوں کا دونوں کو اعتراف ہے مگر ایک اُسے ان دیکھے خدا سے نسبت دیتا ہے اور ایک "ان دیکھی ازجی" سے مذہبی لوگوں کے نزدیک بھی ایک شعور مکمل کام کر رہا ہے اور اشتراکیا کے نزدیک بھی مگر اشتراکی ایک ایسے شعور سے زندگی کو دالبستہ کرتے ہیں جو اندھا، بہرا اور گونگا ہو، حالانکہ اگر زندگی اندھے شعور کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہوتی تو تسلسل اور تغیر کا مشترکہ تصور سرتاریخی منزل پر ارتقار کے لئے ٹھیک ٹھیک کام نہ کرسکتا تھا۔ تاریخی مادیت کو فیصلہ تقدیر تسلیم کرتے اور نظریہ تضاد پر ایمان رکھتے ہوئے ہم آہنگ زندگی کی آرزو کرنا کیا "مراق و وہم" کی ایک نئی قسم نہیں اگر انسانی فطرت اپنی سعی پیہم سے طبقاتی تضاد اور اس کے ٹکراؤ کو مٹا سکتی ہے تو اُسے تاریخی جدلیت کا غلام نہیں کہا جا سکتا، ہاں عبوری دور کا تقاضہ سمجھ کر اسے انسانیت کے لئے مفید بنایا جا سکتا ہے یا تو تاریخی جدلیت کی خدائی "شیطان کی خدائی" تھی ورنہ اُس کی تباہ کاریوں سے باہر آسکنے کی کیا صورت ہوگی اور اصل اشتراکیت معاشی ماحول کے بعض رجحانات کا شکار ہوگئی طبقاتی تضاد کے

ٹکراؤ کا راستہ شیطان اور اخلاقی قدروں سے تضاد رکھنے والی محدود قوت کو بھی تعمیرِ حیات کے لئے مفید بنا لینے کا راستہ ہے تعمیر و اثبات اور حق کو تابندہ تر بناتے چلے جانا ہی کائناتی قوانین کی غایت تھی مگر انسانیت انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے ارتقار کی منازل طے نہ کرے گی تو تخلیقی ساحروں کے بگاڑ سے بھی وہ ہی کام لیا جا سکتا ہے جو بصورت دیگر ممکن تھا، تاخیر ضرور ہو گی مگر نتیجہ وہ ہی نکلے گا جس کا فیصلہ پہلے ہی دن ہو چکا تھا اس سے زیادہ کیا بدقسمتی ہو گی کہ انسانیت ہمیشہ ایک ہی پہلو پر جھکتی رہی۔ کبھی فکر و اخلاق ہی کو راہِ نجات قرار دے دیا گیا اور اگر کبھی پلٹا کھایا تو تاریخی مادیت ہی کو سب کچھ کہہ دینے کی جرأت کی گئی۔ کائناتی قوانین سے ہم آہنگ ہو سکنے کی آرزو اگر فریبِ تخیل نہ تھی تو دیکھنا چاہیے تھا کہ کائناتی قوانین، مثبت و منفی کی بھول بھلیاں سے کس طرح گذر رہے ہیں، کیا منفی کی نمائش ستاروں کی الگ الگ راہیں، نشو و نما کے لئے نظامِ فلکی اور ارضی کا اختلاف، نہ صرف یہ کہ تعمیرِ زندگی ہی کے لئے کام کر رہا ہے بلکہ کسی قسم کا تغیر بھی قبول نہیں کرتا، مثبت و منفی کے ہزار ہا کائناتی ٹکراؤ کیا اپنی گردشوں سے نئے نئے ستارے جگمگانے اور نفی در نفی سے ارضی سرمایہ کو نشو و نما دے سکنے کا راستہ بدل سکے کیا کشش در کشش کا ترکیبی نظام، شعاعوں کے اثرات، بارش کا قاعدہ اور فائدہ دواؤں کے خواص، جغرافیہ کی افتادِ طبع، لہروں کا موجی خطِ مستقیم، نغمہ کا وجد و رقص اور نالہ کی غمناکی کوئی چیز بھی معمولی سا تغیر قبول کر سکی۔ گوناگونیوں، بساطِ زندگی کے نئے نئے نقشوں، فکری اور معاشی انقلابات کی گردشوں سے کیا کچھ نہیں ہو رہا، کون سے "متشابہات مثانی" کون سے ہم آہنگ مگر اضافی تغیرات نہیں ہو رہے لیکن کیا "محکمات" بنیادی قوانینِ حیات، ضابطۂ تعمیر و ارتقار کی کوئی دفعہ اور بنیادی پتھروں کا کوئی سنگریزہ بھی توڑا اور بدلا جا سکا۔ نمائش گاہ میں کتنی ہی درجہ بندی اور گوناگونی پیدا کر دی جائے منصوبہ بندی کا بنیادی آرٹ نہیں بدل سکتا۔

بالکل یہی حال انسانی زندگی اور اس کے قانونِ ارتقار کا ہے، انسانیت صرف ایک ہی چیز